عاشق حسین / یاسمین سرور
یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

اردو انشائیہ اور ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش

Light Essay or INSHAIYA (انشائیہ) is among those genres which came from the west. With emergence of British rule in India this genre got its roots and Sir Syed Ahmed Khan started writing such article impressed by great English writers Edison and Steel. After words it got its tradition and many writers of Urdu tended towards Essay writing. It was Named Poetic Prose, Light Prose, Light Essay and then finally INSHAIYA. In the context of light prose or INSHAIYA have many prominent names like Dr Wazir Agha, Dr. Anwar Sadid, Dr. Saleem Agha, Dr. Bashir Saifi, Dr. Adam Shaikh, Dr. Waheed Qureshi, Latif Sahil etc. In the western world is presented with special reference to Monten, Bacon, Edison, Steel, and Charles Lamb etc. The works of the essayists before the creation of Pakistan e.g. Mulla Wajhi, Maulana Muhammad Hussain Azad and others. The crux of the matter which presents the whole picture of INSHAIYA (انشائیہ) in Pakistan right from Naseer Agha. Every writer possesses his own style and subjects to portray in his essays.

ڈاکٹر سلیم آغا ڈاکٹر وزیر آغا کے جانشین ہیں لیکن انشائیہ میں انھوں نے اپنا مقام اپنی تحریروں سے منوایا ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر انور سدید کے علاوہ اگر اُردو انشائیہ میں ڈاکٹر وزیر آغا کے بعد کوئی خالص انشائیہ کے مزاج کو سمجھنے والی کوئی شخصیت ہیں تو وہ ڈاکٹر سلیم آغا ہیں۔اصل میں سلیم آغا کی تحریریں ادبیت کی چاشنی سے مرکب ہیں۔وہ شیرینیِ گفتار ، نکتہ آفرین اور انشائی مزاج کی حامل شخصیت ہیں اور انھوں نے یہ مقام اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بناء پر حاصل کیا ہے ۔اسی لیے ڈاکٹر وحید قریشی نے ان کے بارے میں اعتراف کیاہے کہ:

"سلیم آغا کے انشائیے حق وراثت کی ذیل میں نہیں آتے۔وہ تو جادو کی چھڑی سے اس میں طلسمی فضا کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔"(۱)

ان کے انشائیوں کا پہلا مجموعہ "سرگوشیاں" ۱۹۸۰ء میں شائع ہواجس میں ۱۲ انشائیے شامل ہیں۔اس انشائی مجموعے میں ان کے موضوعات درج ذیل ہیں:۱۔جال ۲۔بلبلہ ۳۔دھاکہ ۴۔کرسی ۵۔ہل ۶۔برگد ۷۔چھتری ۸۔آندھی ۹۔آئینہ ۱۰۔سمندر ۱۱۔موم بتی ۱۲۔سرگوشیاں۔

حرف اوّل کے عنوان سے مشتاق قمر کا دیباچہ اور حرف آخر کی صورت میں ڈاکٹر انور سدید کی تحریروں نے سلیم آغا کے انشائیہ نگاری کے فن پر استناد کی مہر ثبت کر دی ہے۔

''سرگوشیاں''میں شامل انشائیے پڑھتے ہوئے جو پہلا احساس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سلیم آغا عموماً اشیاء کو موضوع بناتے ہیں ان کے اردگرد موجود اشیاء مثلاً کرسی، ہل، چھتری ، موم بتی، جال، بلبلہ ، برگد، آئینہ وغیرہ جیسی اشیاء علامات کی صورت اختیار کرتی ہیں اور انہیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں اور وہ خیال کی رو میں نئے نئے خیالات سے ایک نئے جہان معنی کی تشکیل کرتے ہیں۔ان کی یہ معنی آفرینی قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔وہ موضوع کو اپنی ذات کا لمس عطا کرکے اسے وسیع کائنات کے حوالے کر دیتے ہیں اور یوں ان کی سوچ کی لہر شعور کی صورت میں ہزاروں میلوں کا سفر اور سینکڑوں زمانوں کو عبور کر کے ایک مرتبہ پھر اسی موضوع کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے

ڈاکٹر سلیم آغا اپنی بات کا آغاز ایک معمولی اور غیر اہم سی بات سے کرتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک واقعہ یا شے سے متاثر ہو کر جذباتی انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کرنے والے ہیں لیکن جب ہم مزید آگے بڑھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ ان کا معمولی اور غیر اہم نکتہ اپنی ذات میں بے پناہ معنویت اختیار کر لیتا ہے۔مکڑی کا جالا، گھر میں ایک عام مشاہدے کی بات ہے لیکن سلیم آغا جب اس پر نظر ڈالتے ہیں توانہیں اس کی صورت ایک ایسے سنہری جال کے مانند لگتی ہے جس میں کائنات اور کائنات کی ہر شے بری طرح جکڑی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اس صورت حال پر وہ بے اختیار کچھ اس طرح گویا ہوتے ہیں:

''معاً مجھے محسوس ہوا کہ پوری کائنات ایک سنہری جال میں اسیر ہے مگر سوال یہ ہے کہ زمان ومکان کے ستونوں سے بندھا ہوا جال کس کے لیے ؟کیا یہ سارا جال صرف مجھے پھانسنے کے لیے بنایا گیا ہے ؟کیا صرف مجھے ؟میرے اس سوال پر چھت کا پنکھا ذرا سا کسمسایا اور اس کے تینوں پر شریر بچوں کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے پھر ان کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ صرف ایک بگولا باقی رہ گیا اور یہ بگولہ ٹھنڈے لمس کی صورت چھت سے اتر کر مجھ میں سمایا چلا گیا۔اب نہ کوئی جال تھا اور نہ اس کے دھاگے۔مطلع صاف ہو چکا تھا۔''(۲)

مندرجہ بالا اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر سلیم آغا کس خوبصورتی سے ایک عام اور بظاہر غیر اہم چیز کواپنی گہری بصیرت سے ایک خیال افروز شاہکار کی صورت بخشتے ہیں۔وہ اپنے موضوعات کی متنوع جہات کونہایت خوبی سے احاطہ تحریر میں لاتے ہیں اسی لیے منور عثمانی بھی سلیم آغاکے موضوعات کے حوالے سے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

ـــ''سلیم آغاموضوع کو عموماً چار طرح سے اپنے انشائی مشاہدے کے احاطے میں لا کر ایک نئی منطق کی آبیاری کرتے ہیں:

ا۔ سب سے پہلے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ موضوع کی ممکنہ صورتیں اور جہتیں کیا کیا ہیں۔۔۔۔۔اور یوں موضوع کی ہر حیثیت اور کیفیت ،اس کا ہر نام اور کام، خلق خدا کا اس سے ربط اور انحراف ،عموماً وضاحت کے ساتھ لیکن انشائی لب ولہجے میں سامنے آجا تا ہے۔

۲۔ پھر وہ یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا موضوع ،معاملات خیر و شر سے کیا واسطہ اور رابطہ رکھتا ہے۔ماضی حال اور استقبال کے حوالے سے وہ موضوع کے اندر کا خیر اور شر ہی نہیں،اہل دنیا کا اس موضوع سے خیر یا شر کا حامل "حسن سلوک "بھی انشائیے کے غیر رسمی اور غیر اصلاحی پیرائے میں بیان کر دیتے ہیں اور یوں ایک مشکل کام ان کے قلم سے آسانی وروانی انجام پا جاتا ہے۔

۳۔ پھر وہ موضوع کو اپنی ذات کے آئینے اور اپنی ذات کو موضوع کے احاطے میں رکھ کر دیکھتے ہیں۔یہ متوالی سرگرمی کبھی اپنی بہائو کو الگ تھلگ رکھتی ہے اور کبھی (مذکورہ بالا) دیگر سرگرمیوں کی آب وتاب میں برقی رو کے مانند یہاں سے وہاں تک پھیل جاتی ہے۔

۴۔ اپنے موضوع کے حیرت کدے میں داخل ہوکر ان کی آخری لیکن بڑی دلچسپی اس کا عرفانی روپ دیکھنا ہے جو کبھی موضوع کے ہمراہ طویل سیاحت و رفاقت کے بعد نظر آتا ہے اور کبھی محض "اتفاق"کے اندر سے پھوٹ کر اپنی موہنی جھلک دکھا دیتا ہے لیکن یہ معرفت ،خواہ طویل فکری مراقبے کا نتیجہ ہو یا فقط ایک اتفاقی لمحے کی عطا۔سلیم آغا اسے اپنے قاری تک اچانک اور براہ راست پہنچانے کے بجائے بالواسطہ اور موضوع کے انکشاف کے تمام مناسک ادا کرنے کے بعد پہنچاتے ہیں...اوریہ چاروں فکری زاویے اور احساسی رویے میکانکی طرز یا ایک دوسرے سے بے رخی کا انداز برت کر مصنہ شہود پر نہیں آتے،یہ بڑی وارفتگی، شیفتگی اور بے ساختگی سے کبھی ایک دوسرے کی جلو میں اور کبھی ایک دوجے کے اندر اتر کر ہویدا ہوتے ہیں۔(۳)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے بیشتر انشائیوں میں ڈاکٹر سلیم آغا موضوع کوان چارجہات سے اپنے مشاہدے میں لاکر ہمارے لئے نئے جہان معنی کو آشکار کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے انہوں نے عوامل کے بجائے اشیاء کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ان کے موضوعات کا تجزیہ کیجئے تو بلبلہ ،برگد،جال اور چھتری امن و عافیت کی علامتیں ہیں اسی طرح "ہل"تخلیقی قوت کی علامت ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاں استفہامیہ انداز بھی پایا جاتا ہے اور وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں زندگی کی حقیقتوں کو عیاں کرتے چلے جاتے ہیں۔بے ساختگی اور روانی جیسی صفات بھی ان کے ہاں بکثرت نظر آتی ہیں۔

اس حوالہ سے ان کے انشائیہ "بلبلہ "سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

" کیا انسانی زندگی بھی بلبلے ہی کی مانند نہیں؟ پھر کئی بار میں خود سے پوچھتا ہوں کہ میں جو ہر روز جھلسا دینے والی گرمی میں ٹھنڈے میٹھے بلبلے بناتا ہوں آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ کہیں میں انسان کے جسم پر لگے ہوئے زخموں پر پھاہا رکھنے کی معصومانہ حرکت کا مرتکب تو نہیں ہو رہا؟ لیکن پھر میں خود سے سوال کرتا ہوں کہ وہ پراسرار ہستی جو کسی سیاہ نلکی سے کہکشاں کے رنگین اور منور بلبلوں کو بڑی بے نیازی سے فضا میں بکھیر رہی ہے وہ کس مقصد کے تحت ایسا کر رہی ہے تو مجھے اپنے سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا اور میں نلکی کو صابن ملے پانی میں ڈبو کر زور زور سے بلبلے بنانے لگتا ہوں۔

ایک کے بعد دوسرا،دوسرے کے بعد تیسرا، پھر بلبلوں کی لڑیاں، آنسوئوں کی لڑیاں۔آخر آنسو کا بھی تو کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ذرا دل کو ٹھیس لگی اور آنسو پلک سے ٹوٹ کر گرا۔تو کیا یہ ساری کائنات کسی کی پلکوں سے ٹوٹا ہوا ایک آنسو ہے؟ بے مقصد۔آغاز اور انجام سے بے نیاز۔"(۴)

سلیم آغا بے اختیار سادگی اورخیال آفرینی کے ساتھ مذکورہ بالا اقتباس میں قاری کے احساس کو مہمیز لگاتے ہوئے مختلف اعمال کی مفسرانہ توجیہہ بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید بھی ان کی اس صفت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں کہ۔" اس کے انشائیے "موم بتی"، "سمندر"، "برگد"، "جال" اور "کرسی" وغیرہ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس نے گردو پیش کو غائر نظر سے دیکھا اور اس سے نئے تجربات حاصل کیے ہیں۔"ہل چلانا" میں وہ زمین کے پاتال میں اترنے کی کوشش کرتا ہے لیکن "بلبلہ" اور" برگد "میں وہ اس زمین پر آسمان بن کر روشنی اور سایہ بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔"کرسی "اور" چھتری" میں بازار حیات سے بے لوث گزر جانے کے باوجود اس نے حوادث زمانہ کی تہہ میں اترنے کی کوشش کی ہے... اور یوں موضوع ایک ایسا گیند ہے جو سلیم آغا کے تار نگاہ سے بندھا ہوا ہے۔گیند سلیم آغا کے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ اس سے کھیلنے کے بجائے اسے معاشرے کے آنگن میں پھینک دیتا ہے اور پھر جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے بعینہ قاری تک پہنچا دیتا ہے۔"(۵)

یوں قاری ان کے ساتھ ساتھ خیال کی وادیوں میں سفر کرنے لگتا ہے۔وہ خود بھی حیران ہوتے ہیں اور اپنے قارئین کو بھی استعجاب میں ڈال دیتے ہیں۔ڈاکٹر بشیر سیفی ان کے اس انداز کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سلیم آغا کے انشائیوں کی ایک اہم خصوصیت ان کی معصوم حیرت اور استعجاب ہے جو مختلف اشیاء کی ماہیت جاننے کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔"(۶)

اشیاء کی ماہیت کا تجسس بھی ان کے ہاں نمایاں ہے۔وہ نادر تشبیہات کے ذریعے ہمیں نئے نئے جہان معنی کی سیر کرتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انشائیہ "موم بتی"میں معنی کا ایک جہاں نظر آتا ہے۔ یہ انگشت شہادت کی طرح سیدھی ہونے کی بنا پر ہمیں بھی سیدھے راستے پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔وہ موم بتی کو حوصلہ و جرات کاوسیلہ بھی بتاتے ہیں اور اس کی لو کو تلوار سے مشابہ قرار دیتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں:

"موم بتی تو انگشت شہادت کی طرح ہے جو ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کا درس دیتی ہے اور بری سے بری صورت حال میں بھی حوصلہ اور جرات کو قائم رکھنے پر ابھارتی ہے...موم بتی کی چمکتی لو اس تلوار سے مشابہہ ہے جو آدمی کو ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہونے کا حوصلہ بخشتی ہے یہی وجہ ہے کہ اسے ہمیشہ اولمپک مواقع پر روشن کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں میں نیا جوش اور ولولہ بھر دے...موم بتی ایثار اور قربانی کا عظیم شاہکار ہے کیوں کہ یہ اپنے آپ کو ختم کر کے دوسروں کو اجالا عطا کرتی ہے۔"(۷)

ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم آغا نے موم بتی کے لیے تلوار کی نادر تشبیہ استعمال کی ہے اور اسے جوش و ولولہ اور ایثار وقربانی کا ایک عظیم شاہکار قرار دیتے ہوئے ہمارے لیے علم عرفان کے نئے دریچے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔اسی طرح دیکھیں توان کے انشائیوں "موم بتی"، "جال"، "سمندر"، "کرسی"، "ہل"، "چھتری"، "دوربین"، "آئینہ "اور "بلبلہ" وغیرہ میں ایک عرفانی کیفیت بھی سامنے آتی ہے۔وہ ہمیشہ اپنے موضوع سے وابستگی سے خیالات کی نئی نئی قندیلیں روشن کرتے ہیں۔بات سے بات نکلتی ہے اور موضوع کی تمام جہات کو منور کرتے ہوئے وہ دوبارہ موضوع کی طرف پلٹ آتے ہیں اور ہمارے جذبات میں نئی لہر ڈور جاتی ہے۔

جمیل آذر ان کے انشائیوں میں اس موضوعات وابستگی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

جمیل آذر، سلیم آغا کے موضوعات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سلیم آغا کے انشائیوں میں جو چیز قدر مشترک ہے۔وہ اس کی موضوع کے ساتھ وابستگی ہے جسے وہ تجزیاتی مشاہدے اور فن کارانہ غیر وابستگی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔خیالات لطیف کی ننھی قندیلیں جگمگانے لگتی ہیں۔ ایک خیال دوسرے خیال کو جلا دیتا چلا جاتا ہے تاآنکہ وہ اپنے خیال کی آخری تیز ضو دکھا کر قاری کے خیال کی لو تیز کر دیتا ہے۔جس سے اس کا ذہنی افق مزید کشادہ ہو جاتا ہے۔وہ نہایت خلوص،محبت اور اعتماد کے ساتھ ہمیں اپنے مشاہدے ،تجربے اور خیالات میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔"(۸)

یہاں جمیل آذرنے سلیم آغا کے انداز بیاں سے پیدا ہونے والی کیفیت بیان کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ان کے انشائیوں کی خوبی ان کا موضوع سے وابستہ رہنا ہے۔یہ وابستگی سلیم آغا کے تجربہ اورمشاہدہ کے ذریعے سے قاری کے خیالات کو مہمیز لگاتی ہے اور سلیم خیال کی لو کو بلند سے بلند کرتے چلے جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر علم و عرفان کے نئے راز افشا کرتے ہیں۔ان کا انشائیہ" سرگوشیاں" ایسے ہی عرفان کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔مندرجہ ذیل اقتباس اسی امر کی ترجمانی کرتا ہے:

" مجلسی گفتگو کے دوران حاضرین کے بولنے کا انداز اکثر وبیشتر منافقانہ ہوتا ہے یعنی دل اور زبان میں آمدرفت کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے معطل ہو جاتا ہے۔ایسے میں اگر مجلس کے شرکاء میں سے کوئی اچانک سرگوشی کرنے کے انداز میں اپنے ساتھی سے ہم کلام ہو جائے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کے اندر کی ساری سچائی قفس کی تیلیوں کو توڑ کر ہونٹوں کی منڈیر پر آبیٹھی ہے اور وہاں سے بے آواز سا نغمہ سرمدی بن کر اپنے دوست کے کان میں منتقل ہو رہی ہے جو اس لمحے اس کا ہمزاد معلوم ہوتا ہے۔"(۹)

ان کے ۲۲ انشائیوں کادوسرا مجموعہ" آمنا سامنا"ہے جس میں شامل انشائیوں کے موضوعات درج ذیل ہیں:

۱۔صدائے بازگشت ۲۔ناریل ۳۔بھول جانا ۴۔زبان ۵۔خوش فہمی ۶۔پسینہ ۷۔انگلیاں ۸۔بادل ۹۔نعمت خانہ ۱۰۔سورج

۱۱۔مقناطیس ۱۲۔آمنا سامنا ۱۳۔جنگل ۱۴۔کاغذی پیرہن ۱۵۔دوربین ۱۶۔گلی ۱۷۔جال ۱۸۔بلبلہ ۱۹۔کرسی ۲۰۔ ہل چلانا ۲۱۔موم بتی ۲۲۔دھماکہ۔

ڈاکٹر سلیم آغا نے اس انشائی مجموعہ میں بھی نئے نئے نکات تراشے ہیں اور فرد کو زندگی بسر کرنے کا نیا زاویہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے انشائیہ کو ایسے خلا قانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس انشائی مجموعہ میں بھی انہوں نے نہایت بے ساختہ اور رواں اسلوب میں اپنی دل نشین اور خوبصورت نکتہ سنجیوں کے جوہر دکھائے ہیں۔

ذیل کا اقتباس ان کے اسلوب کی روانی اور بے ساختگی کی خوبصورت مثال ہے:

"بعض زبانیں قینچی کی طرح ہر وقت کتر کتر کرتی چلتی رہتی ہیں اور پل بھر میں سب کچھ کاٹ ڈالتی ہیں۔اس قسم کی زبانیں دم لے کر بات کرنے کے انداز کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔ایسی نوع کی زبان اکثر بیویوں کو الاٹ ہوتی ہیں۔ دوسری بڑی بات اُن زبانوں کی ہے جو ہاں میں ہاں ملانے ہی میں اپنی عافیت دیکھتی ہیں۔یہ صرف شوہروں کے نصیب میں لکھی گئی ہیں۔پھر کچھ زبانیں بڑی تحمل مزاج ہوتی ہیں چاہے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ٹوٹ جائیں یہ اف تک نہیں کرتیں۔ایسی زبانیں اللہ کے خاص خاص بندوں کو ہی عطا ہوتی ہیں۔"(۱۰)

درجہ بالا انشائی اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ داکٹر سلیم آغازبانوں کی اقسام کو موضوع سخن بناتے ہوئے شوہروں اور بیویوں کی زبان اور ان کے مراتب پر بڑی بے ساختگی سے روشنی ڈالتے ہیں ان کا یہ جملہ کتنا خوبصورت اور رواں ہے کہ" بعض زبانیں قینچی کی طرح ہر وقت کتر کتر چلتی رہتی ہیں"۔اس بے لاگ حقیقت کے بیان پر انہیں بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم آغا کی ایک اور خاصیت غیرجمالیاتی اشیاء کے جمالیاتی پہلوکا انشائی بیان بھی ہے۔جمالیات ان کے انشائیوں کی جان ہے۔چھوٹے چھوٹے خوبصورت رویوں ،جذبوں اور حقیقتوں کا منفرد اور دلکش بیان ان مظاہر میں پوشیدہ پرت در پرت معنی کا سامان ہمارے لیے آگہی کے نئے در یچے کھولتا ہے۔

ذیل کا اقتباس اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے:

"دیکھنے میں ناریل کچھ غیر جمالیاتی قسم کی چیز ہے۔بعض اوقات اس کا خارجی پیکر کسی نوعمر شرارتی لڑکے کے سر پر اگے بالوں کا ایک ایسا ٹوکرا معلوم ہوتا ہے جو کنگھی ، قینچی کی دست برد سے ایک معقول مدت تک محفوظ و مامون رہا ہو۔پھر کسی وقت ناریل کی شکل و صورت خارپشت کی بہ نسبت باسکٹ بال سے زیادہ ملنے لگتی ہے مگر باسکٹ بال کی طرح اندر سے خالی مغز نہیں ہوتا بلکہ اس کا اندر کافی پر مغز ہوتا ہے جسے عرف عام میں گری کہا جاتا ہے۔اس کی گری ملائم اور شفاف سنگ مرمر ایسی مضبوط چاردیواری کے بیچوں بیچ ٹھنڈے میٹھے پانی کی ایک جھیل ہے جہاں سے ہر پری زاد و آدم زاد بلا اجازت اپنی پیاس بجھاتا سکتا ہے۔"(۱۱)

اس انشائی مجموعہ میں بھی داکٹر سلیم آغا کا اسلوب نہایت شگفتہ و رعنا ہے۔یہاں بھی ہمیں نادر استعارات ، خوبصورت تشبیہات اور منفرد علاماتی انداز نظر آتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید سلیم آغا کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے انداز و بیان کے بارے میں یوں گویاہوتے ہیں:

''سلیم آغا کا انشائیہ چوں کہ حال کے لمحے کی پیدا وار ہے اس لیے اس کے ہاں بھی ایک متبسم نشاطیہ کیفیت زیادہ نمایاں ہے۔اہم بات یہ ہے کہ وہ استہزاء یا تمسخر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔طنز کی جراحت یا مزاح کی فکاہت بھی اس کے ہاں ابھری ہوئی نہیں ملتی۔البتہ استعاراتی اسلوب، نادرہ کار تشبیہات اور علامتی انداز کے استعمالِ فراواں سے اس نے شگفتگی اور رعنائی پیدا کی ہے۔''(۱۲)

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم آغا کا اُردو انشائیہ میں اپنا ایک انداز ہے جس کے تحت ان کے انشائیوں میں ادبی لطافت پائی جاتی ہے۔خیالات میں نکتہ آفرینی اور اسلوب میں شگفتہ زبانی ان کے خاص اوصاف ہیں۔ان کے انشائیے حال کی لمحات کی پیداوار ہیں اور ہمیں تبسم آمیز کیف فراہم کرتے ہیں۔وہ استہزا یا تمسخر پیدا کرنے کی بجائے استعاراتی اسلوب ، منفرد و نادر تشبیہات اور علامتی انداز سے اپنے انشائیوں میں شگفتگی پیدا کرتے ہیں۔سلیم آغا کے انشائیے پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ ان کے ساتھ ہی سر گرم سفر ہیں۔

''نام میں کیا رکھا ہے''سلیم آغا قزلباش کے انشائیوں کو تیسرا مجموعہ ہے۔اس انشائی مجموعے میں شامل انشائیوں کے موضوعات حسب ذیل ہیں: ا۔ایک دو تین ۲۔چوہے ۳۔آنسو بہانا ۴۔قصہ گردن کا۵۔غسل اور غسل خانے ۶۔نام میں کیا رکھا ہے ۷۔خوف کھانا ۸۔شرافت ۹۔کان ۱۰۔لباس ۱۱۔کھال کے صدر نگ

ڈاکٹر سلیم آغا کے انشائیوں میں وسعت مشاہدہ اور تجربات کے باعث ان کا ہر جملہ قاری کو حیرت و انبساط سے سرفراز کرتا ہے۔ان کا ہر جملہ دل آویز، متین اور علمیت سے بھرپور ہے اور وہ اسے نہایت ہلکے پھلکے اور شگفتہ انداز میں بیان کرتے ہوئے ایسی ایسی نکتہ آفرینی کے شاہکار بناتے ہیں کہ جو ہمارے خیالات میں ہلچل مچادیتے ہیں۔

اسی تناظر میں ان کے انشائیہ''ایک دو تین ''سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کے تصور نے دراصل اسی روز جنم لے لیا تھا جب انسان نے خود کو چاردیواری میں محبوس کرنے کا فیصلہ کیا تھا یا یوں کہہ لیجیے کہ تہذیب و تمدن کے دائرے میں پائوں رکھتے ہی اس نے اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر ڈالا۔ان میں سے ایک حصہ اس کا سماجی یا خارجی روپ کہلایا جس نے خود کو ڈرائنگ روم کے روپ میں آشکار کیا جب کہ دوسرے حصے نے جو ایک طرح سے اس کا داخلی عکس تھا۔بیڈ روم کے لباس میں خود کو منکشف کیا گویا انسان کی ذات ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کی دو اکائیوں میں پہلے دن ہی بٹ گئی تھی۔''(۱۳)

سلیم آغا اپنے منفرد رجحان کی بدولت ڈرائنگ روم اور بیڈ روم کے تصور پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمارے لیے عرفان و آگہی کے نئے در یچے کھولتے نظر آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ انسان نے تہذیب تمدن میں قدم رکھتے ہی زندگی کو

دو حصوں میں بانٹ دیا ہے اس طرح وہ ہماری ڈرائنگ روم کی زندگی اور بیڈ روم کی زندگی کے دو متضاد رویوں کی نئی جہات کو نہایت شستہ انداز میں ہمارے سامنے لاتے ہیں۔

ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں:

''باہر کے کانوں''میں اتنی سکت کہاں کہ اندر کی آواز سن سکیں۔اس کے لیے اندر کے کانوں کے پٹ کھلیں گے تو بات بنے گی۔آلہ گوش لگانے والوں کو میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ باہر کی آوازوں کو مزید سننے کی کوشش کر کے خود کو ہلکان نہ کریں۔انھیں چاہیے کہ آلہ گوش سے دست کش ہوکر ان سناٹوں کو سنیں جن کی گم آواز ہی اصل آواز ہے۔''(۱۴)

شاہد شیدائی ان کے انشائیوں میں تازگی کے عنصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''تازگی ان کے انشائیوں کی خاص پہچان ہے۔وہ ایک ہی جملے میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں اور قاری کو مسکراتے چھوڑ کر بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''(۱۵)

شاہد شیدائی تازگی فکر کو ڈاکٹر سلیم آغا کے انشائیوں کی پہچان قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ سلیم آغا کے جملے مختصر مگر جامع ہوتے ہیں۔ان میں فصاحت بھی پائی جاتی ہے اور بلاغت بھی۔اس پر مستزاد ان کے انشائیوں میں حیرت انگیز مسرت کا پہلو نمایاں ہے جس کی شاہد شیدائی نے مذکورہ بالا اقتباس میں کی ہے۔

منور عثمانی کا خیال ہے کہ سلیم آغا اپنے خیال ،تاثر ،احساس اور عرفان کے اظہار کے لیے بے حد سادہ لیکن نفیس اسلوب اختیار کرتے ہیں اور ان کی نثر میں کسی قسم کی ادبی آرائش ،لسانی و اسلوبی کھیل تماشے، عالمانہ رعب اور صبر آزما نامانوس لفظیات نہیں ہیں۔ان کی عبارت قاری کو فوری طور پر اپنا ہم نوا بنا لیتی ہے۔چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم آغا کے ہاں اسلوب میں ایسی ادبی چاشنی کا احساس ہوتا ہے کہ اگر نامانوس اور اجنبی الفاظ کا استعمال کہیں نظر بھی آتا ہے تو وہ اس قرینے کے ساتھ کہ ہم کہیں بھی ان الفاظ کو نامانوس اور اجنبی خیال نہیں کرتے۔وہ ان کے اسلوب کے حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''سلیم آغا اپنے خیال ،تاثر ،احساس اور عرفان کے اظہار کے لیے بے حد سادہ لیکن نفیس اسلوب اختیار کرتے ہیں۔کسی قسم کی ادبی آرائش ،لسانی و اسلوبی کھیل تماشے ،عالمانہ رعب داب اور صبر آزمانامانوس لفظیات ،ان کی نثر میں کہیں نہیں۔ان کے جملے حسب ضرورت مختصر بھی ہوتے ہیں اور طویل بھی لیکن ادھورے اکتااور الجھا دینے والے اور بے جواز الفاظ سے تراشے ہوئے ہر گز نہیں ہوتے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارت قاری کو فوراًاپنا''ہم نوا''بنالیتی ہے۔''(۱۶)

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم آغا کے انشائیے، انشائیہ نگاری کے فن کی معراج ہیں۔انھوں نے ہوش سنبھالتے ہی انشائی مزاج میں تربیت حاصل کی۔انشائیہ کی روح ان کے رگ و پے میں بسی ہوئی ہے۔وہ آج کے دور کے وزیر آغا ہیں اور بلاشبہ ان کے انشائیے اُردو ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وحید قریشی،ڈاکٹر (فلیپ)، سرگوشیاں، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰ء

۲۔ سلیم آغا،ڈاکٹر، سرگوشیاں،مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰ء،ص۱۸

۳۔ منور عثمانی پیش لفظ سلیم آغا قزلباش ،نام میں کیا رکھا ہے،ص۸،۹

۴۔ سلیم آغا،ڈاکٹر، سرگوشیاں،مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰،ص۲۴،۲۳

۵۔ انور سدید،ڈاکٹر ،انشائیہ اُردو ادب میں،مکتبہ فکرو خیال،لاہور،۱۹۸۵،ص ۲۵۴

۶۔ بشیر سیفی،ڈاکٹر ،اُردو میں انشائیہ نگاری،نذیر سنز پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۳،ص۲۷۲

۷۔ سلیم آغا،ڈاکٹر، سرگوشیاں،مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰،ص۷۹،۸۶

۸۔ جمیل آذر، پروفیسر،انشائیہ اور انفرادی سوچ،نقش گر پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴،ص۴۳

۹۔ سلیم آغا،ڈاکٹر،سرگوشیاں،مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰،ص۸۸

۱۰۔ سلیم آغا،ڈاکٹر، سرگوشیاں، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا،۱۹۸۰،ص۲۶

۱۱۔ سلیم آغا،ڈاکٹر، آمنا سامنا،مکتبہ فکرو خیال،لاہور،۱۹۸۷، ص۱۴

۱۲۔ انور سدید،ڈاکٹر ،انشائیہ اُردو ادب میں،مکتبہ فکرو خیال،لاہور،۱۹۸۵،ص۲۵۶

۱۳۔ سلیم آغا قزلباش ،نام میں کیا رکھا ہے ،کاغذی پیرہن،لاہور،۲۰۰۵، ص۱۵

۱۴۔ سلیم آغا قزلباش ،نام میں کیا رکھا ہے کاغذی پیرہن،لاہور،۲۰۰۵، ص۱۰

۱۵۔ شاہد شیدائی،(فلیپ پس ورق) نام میں کیا رکھا ہے ،کاغذی پیرہن،لاہور،۲۰۰۵

۱۶۔ منور عثمانی ، نام میں کیا رکھا ہے، کاغذی پیرہن،لاہور،۲۰۰۵،ص۹